

اسلامی فکر و ثقافت کی قرآنی بنیادیں:

مقاصدِ شریعت و انسانیت

ڈاکٹر انیس احمد

اسلامی فکر و ثقافت کو اُس شعوری طرز عمل اور روئیے سے تعبیر کیا جاسکتا ہے جو توحید کے نتیجے میں وحدتِ انسانیت، وحدتِ کائنات اور کائنات پر اللہ رب العزت کی مکمل حاکمیت و ربویت کے اقرار کے ساتھ فرد اور معاشرے کے درمیان تعقّل کی اصل بنیاد پر، تقویٰ، امر بالمعروف اور نهى عن المنکر کو قرار دیتا ہو۔ اس شعوری طرز عمل کا اظہار، اس پر یقین رکھنے والے کی فکری تخلیق، ادب، شعر، فلسفہ اور اس کے ہنرمندی کے ہر عمل میں ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ سرقتہ کا ماہر معماز ہو یا ٹھہرہ میں کاشی کار نائل اور ہندی نقش بنانے والا یا ریگستان تھر یا چولستان کا اونٹ کی کھال سے لیپ پ بنانے والا دست کار ہو، ان میں سے ہر ہر فرد کی مصنوعات میں اسلامی فکر و ثقافت کی روح کسی نکسی شکل میں جلوہ گر ہوتی ہے۔

اسلامی فکر و ثقافت جس روایتِ ذکر، تفہم، شعور و فکر اور الہامی ہدایت کی نمایاں ہے اگر پہ نظر عیقق دیکھا جائے تو اس کی ہر سرگرمی مقاصدِ شریعت کی تجھیل کے پیش نظر سرانجام پاتی ہے۔ یہ مقاصد کیا ہیں اور کس طرح اسلامی فکر و ثقافت ان کے حصول میں مددگار ہوتی ہے، یہی اس مختصر تحریر کا موضوع ہے۔

فلسفہ شریعت میں مقاصد ایک ایم اور مرکزی مضمون کی حیثیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ امام غزالی (۱۰۵۹ء-۱۱۱۱ء) ہوں یا امام شاطی (۹۰۷ھ/۱۲۸۸ء) یا محمد الطاہر ابن عاشور (۹۷۹ء-۱۴۹۳ء)،

مقاصد اشریعی کی اہمیت کے پیش نظر ان میں سے ہر فقیہ نے اس موضوع کا حق ادا کیا ہے۔ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ مقاصد شریعت کا تعلق نہ صرف فلسفہ شریعت اسلامی بلکہ ہر ہر علی کاؤش کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ چونکہ روایتی طور پر جن دینی درس گاہوں اور جامعات میں اسلامیات کے مضامین پڑھائے جاتے ہیں اس علم پر بہت کم توجہ دی جاتی ہے، اس لیے وہ حضرات بھی جو فرقہ کا مطالعہ کرتے ہیں، ان مقاصد سے سرسری طور پر گزر جاتے ہیں۔ معروف یہ ہے کہ یہ مقاصد پائی ہیں لیکن ہم اس تحریر میں ان مقاصد پر غور کا آغاز اُس نیمیاد سے کرتا چاہتے ہیں جو ہر انسانی فکر و عمل کے لیے اساس فراہم کرتی ہے، یعنی توحید۔

توحید وہ پہلا اصول، اساس اور مقداد شریعت ہے جو انسانی زندگی کے لیے ایک واضح لائق عمل اور انسانی کاؤش و عمل کے لیے ہدف اور منزل کا تعین کرتا ہے۔ روایتی طور پر یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ توحید اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو وحدہ لا شریک ماننے کے عقیدے کا نام ہے، جب کہ وہ عقیدہ سے بہت آگے جا کر اس بات کی تصدیق کا نام ہے کہ کائنات میں اگر کوئی ابدی حقیقت ہے تو وہ صرف اور صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ذات اور اس کی حاکمیت ہے۔ اس حاکمیت کو شعوری طور پر تسلیم کرنے کے بعد ایک شاعر ہو یا ادیب، ایک صنعت کار ہو یا کاشت کار، ایک معلم ہو یا ایک انجینئر اور طبیب، اس کی ہر ہر کاؤش کا ہدف اور مقداد اس اصول کی پیروی سے وابستہ ہو جاتا ہے۔ وہ بہترین شعر کہنے کے بعد بھی بھی کہتا ہے کہ یہ میرا نہیں، میرے مالک کا کمال اور کرم ہے کہ اُس نے مجھ سے یہ بات کھلاؤ دی، حتیٰ کہ شعر کے سامعین بھی سبحان اللہ یا ما شا اللہ کہہ کر اصول توحید کی پیروی کرتے ہوئے برطائیہ اعلان کرتے ہیں کہ گوشہ عمدہ ہے لیکن تعریف کے قابل شاعر نہیں بلکہ اس کا خالق حقیقی اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہے۔ ایسے ہی ایک شخص ماہر معمار ہونے کے باوجود اپنے فن تعمیر میں کسی لمحے بھی توحید کے منافی کوئی پہلو نہیں آنے دیتا۔ چنانچہ مسجد کی تعمیر ہو یا کسی قلعہ، محل یا گھر کی تعمیر، جو اصول اس کی تعمیر کو دیگر عقائد کے معمدوں سے ممتاز کرتا ہے وہ توحید کی تطبیق ہے۔ چنانچہ نقش و نگار اور تبلیغ بولٹے زبان حال سے یہ گواہی دیتے ہیں کہ ان کی تزئین کرنے والا توحید پر تلقین کے سب نہ حیوانات کی، نہ انسانوں کی شہپرہ بناتا ہے، نہ ایسے مناظر اپنے فن میں لاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والے ہوں۔ چنانچہ اپسین میں مسلمانوں کا فن تعمیر ہو یا شام، عراق، ترکی،

وسط ایشیا اور جنوب ایشیا کے اعلیٰ تعمیراتی فن کے مظاہر، ہر عمارت انجینئر اور معمار کے ذہن، فکر اور عقیدے کا پہاڑتی ہے۔

شریعت یا الہامی قانون کا مقصد اولاً تمام قوانین پر اللہ کی بھیجی ہوئی شریعت کو حادی کرنے کے ساتھ ساتھ تمام انسانیت کو وحدت کے رشتے میں پرورد़یا بھی ہے۔ چنانچہ جہاں ایک مسلمان کے لیے توحید کا مفہوم اللہ وحدۃ لا شریک کی حاکمیت و ربوبیت کا اقرار اور اپنے عمل سے اس کی تقدیم ہے، اس طرح ایک مشرک اور غیر مسلم کے لیے توحید کے مفہوم کا تقاضا اور مطالبہ اپنی زندگی سے تقضادات کو دُور کر کے زندگی میں وحدانیت کا پیدا کرتا ہے۔ ایک غیر مسلم کے لیے بھی توحید میں یہ پیغام ہے کہ وہ دو ہرے اخلاقی معیار کی جگہ زندگی میں وحدت قائم کرتے ہوئے سچائی، عدل، وفاداری اور پاکیزگی کو اپنا شعار بنائے اور جس طرح پوری کائنات نے تکونی طور پر اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے اخلاقی اصولوں کی پیروی اختیار کر لی ہے اور ہوا میں ہوں یا تیز رفتار دریا، سمندر ہوں یا پہاڑ اور درخت یا چرند پر نسب اللہ کے بنائے ہوئے ہناء ضابطے کی پیروی کر رہے ہیں اور اس طرح تقضاد اور نکراوے سے بچے ہوئے ہیں، بالکل اسی طرح کائنات میں وحدانیت کے پیش نظر وہ اپنی گھر یا زندگی اور سیاسی، معاشری، قانونی اور ثقافتی سرگرمیوں میں قضاد کو چھوڑ کر یک جہتی کے اصول کما پیروی اختیار کر لے۔ شریعت کی اصطلاح میں اسی کو توحید کہا جاتا ہے۔

اگر ایک تہذیب و ثقافت اس اصول کو مان لے تو وہ شعوری طور پر اپنے اندر کے تقضادات کو دُور کرنے پر آمادہ ہو جاتی ہے اور یہک وقت بہت سے خداوں کی بندگی سے نکل کر صرف ایک اصل کو اپنی بنیاد مان لیتی ہے۔ ان بہت سے خداوں میں عصیت کا خدا، ذات اور برادری کا خدا، عربانیت اور تکبر کا خدا ہی نہیں بلکہ وہ سب خدا بھی شامل ہیں جنہیں ہم روزگار، اقتدار اور دیگر مقادرات کے خدا کہہ سکتے ہیں۔ زندگی میں وحدانیت کے قیام سے ان سب محدود، نمائیشی اور زمینی خداوں کے بجائے ایک فرد کی معاشری، سیاسی، معاشرتی، قانونی سرگرمیوں کا مقصد صرف ایک مالک اور آقا کے دیے ہوئے احکامات و تعلیمات کو زندگی اور معاشرے میں نافذ کرنا قرار پاتا ہے۔

اگر غور کیا جائے تو جن اصولوں اور اقدار کو ہم مقاصد شریعت قرار دیتے ہیں وہ مقاصد انسانیت بھی ہیں۔ انسانیت رنگ، نسل، عمر، جغرافیائی حدود سے مادراہ بنیاد ہے جو تمام انسانوں کو ایک

ماں باپ کی اولاد سمجھتے ہوئے کیساں بنیادی انسانی حقوق سے نوازتی ہے۔ اسی انسانیت کو اگر جغرافیائی سرحدوں، رنگ، نسل، ذات اور زبان کی تقسیم میں بانٹ دیا جائے تو ہر لمحے تضادات، مکاراً اور توڑ پھوڑ کا ہیکار ہونا اس کی قسمت بن جاتا ہے۔ گویا پہلا اصول (توحید) نہ صرف اہل ایمان بلکہ بیشمول غیر مسلمین تمام انسانوں کے لیے وجہ اتحاد فراہم کرتے ہوئے، وحدت انسانیت کے قیام کا سبب بنتا ہے اور اس طرح بیک وقت مقصدِ شریعت، مقصدِ انسانیت کے لیے پہلی بنیاد اور اساس کی حیثیت رکھتا ہے۔

دوسری بنیادی اصول جو شریعت کا مقصد بھی ہے اور جو انسانیت کے لیے بھی ایک رہنمای اصول کی حیثیت رکھتا ہے۔ قرآن کریم کی وہ قدر ہے جسے ہم عدل سے تعمیر کرتے ہیں۔ محدود انسانی عقل و نظر کی بنا پر ہم نے بالعموم اس سے وہ انصاف مراد لیا ہے جو وعدۃ اللہ، پنجائیوں یا جرگوں کے ذریعے حاصل کیا جاتا ہے جب کہ عدل ایک انتہائی وسیع، جامع اور عملی اصطلاح ہے جو معاشرتی، معاشی، سیاسی، مذہبی، اخلاقی اور ثقافتی و تہذیبی سرگرمیوں کو معنویت عطا کرتی ہے۔

اگر گھری نگاہ سے دیکھا جائے تو انفرادی سطح پر اگر ایک شخص اپنے نفس کا حق ادا نہیں کرتا، اپنی غذا، روحانی ضروریات، آرام اور کار کر دگی میں عدم توازن کا ہیکار رہتا ہے تو اسلام اسے نفس پر ظلم فرار دیتا ہے۔ اگر وہ اپنے اہل خانہ کا حق ادا نہیں کرتا یا اپنے اعزہ واقارب کو ان کا حصہ نہیں دیتا تو ان پر اور اپنے اوپر ظلم کا مرتکب ہوتا ہے۔ ایسے ہی اگر وہ اپنے اہل محلہ کا حق ادا نہیں کرتا تو ان پر ظلم کا مجرم غیرتی ہے۔ گویا عدل انفرادی اور معاشرتی سطح پر ایک مسلمان اور غیر مسلم دونوں کے لیے یکساں اہمیت رکھتا ہے اور صحت مدنہ معاشرے کے قیام کے لیے مذہب، نسل، لون و لسان کی قید سے ماوراء کر شریعت تمام انسانوں کے لیے عدل کا قیام چاہتی ہے۔ چنانچہ اگر یہ کہا جائے کہ باقیہ تمام مقاصدِ شریعت اور مقاصدِ انسانیت ان اولین دونا قابل تغیر اصولوں کی پیروی اور اتباع کرتے ہیں تو مبالغہ نہ ہوگا۔

اگر غور کیا جائے تو تیرا اہم مقصدِ شریعت جو مقصدِ انسانیت بھی ہے یعنی انسانی جان کا تحفظ و بقا، دونوں اولین اصولوں سے وابستہ ہے اور اسلامی ثقافت و فکر میں بنیادی کی حیثیت رکھتا ہے۔ قرآن کریم نے مختلف مقامات پر اس اصول کو واضح الفاظ میں بیان کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد

ربانی ہے: ”قتل نفس کا ارتکاب نہ کرو جسے اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ“ (بنی اسرائیل ۱:۳۳)۔ مزید ”جس نے کسی انسان کو خون کے بد لے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی کو زندگی بخشی اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی“۔ (المائدہ ۵:۳۲)

گویا قتل ناقص اولین تینوں مقاصد سے متصادم عمل ہے۔ یہ ایک جانب اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی حرام کی ہوئی جان کا ضائع کرنا اور اس کی صریح حکم عدوی کی بنا پر تو حید کی نفی کرتا ہے۔ دوسرا جانب حق کے منافی ہونے کی بنا پر عدل کے اصول سے مکراتا ہے۔ تیسرا جانب انسانیت کی بقا و تحفظ کی جگہ انسانیت کی بیانی و برپادی کا باعث بتاتا ہے۔ نتیجتاً جو تہذیب و ثقافت تو حید، عدل اور حرمت نفس کے ثابت اصولوں پر قائم ہوگی اس میں نہ صرف حکمیت الہی اور ربوہیت خداوندی کی بنا پر انسانوں کے طرزِ عمل میں بغاوت و تکبر کی جگہ اطاعت و بنگی رب ہوگی بلکہ انسان اپنے ساتھ، اپنے الہی خانہ کے ساتھ، اپنے الہی وطن کے ساتھ، اپنے سیاسی، معاشی اور ثقافتی معاملات میں عدل سے کام لیں گے اور انسانی جان کی حرمت کے سبب زمین میں فساد، وہشت گردی اور بے گناہوں کا خون بھانے سے احتراز کریں گے۔ ایسی تہذیب و ثقافت میں تشدد، درندگی، حقوق کی پامالی اور نا انسانی کے بجائے امن، سکون، تحفظ اور انسانیت پائی جائے گی۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ دوسرا بُنیادی اصول یا مقصد (عدل) کے وسیع تر مفہوم پر غور کیا جائے تو سیاسی میدان میں افراد کا حق خود ارادیت، حق اجتماع، اظہار رائے کی آزادی، تمام مناصب تک یکساں پہنچ، مکمل معاملات میں مشاورت میں شمولیت، سیاسی مسائل میں حق تقدیم اور سیاسی رہنماؤں کا احتساب وہ بُنیادی پہلو ہیں جن کے بغیر سیاسی عدل کا قیام نہیں ہو سکتا۔ ایسے ہی معاشی معاملات میں ایک فرد کا دولت پیدا کرنے کا حق، وراثت اور ہبہ کے ذریعے حصول مال، بازار میں مال کی افادیت کے پیش نظر معاشی دوڑ میں حصے کا حق، محنت کا جائز معاوضہ، ذخیرہ اندوڑی کی ممانعت، دولت کی مصنفانہ تقسیم وہ بُنیادی پہلو ہیں جو معاشی عدل کے قیام کے لیے شرط کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ایسے ہی قانونی نقطہ نظر سے ایک شہری کا دوسرا کے مقابلے میں بغیر تفریق مذہب و ملت انصاف کا حصول، قوانین کا شفاف ہونا، نفاذ قانون میں

اصول پرستی، حکام اور قاضیوں کا اہل، غیر جانب دار اور عدالیہ کا کھل طور پر آزاد ہونا عدل کے قیام کے لیے ضروری ہیں۔ عدل کے ثقافتی پہلو بھی کچھ کم اہم نہیں۔ اگر کسی قوم پر بیرونی ثقافت مسلط کر دی جائے، اس پر غیر ملکی زبان، روایات، رہن سہن لباس، حتیٰ کہ شعر و ادب بلکہ لطائف بھی کسی دوسری ثقافت و تہذیب سے مستعار لے کر ذراائع ابلاغ کے ذریعے اس کے دل و دماغ میں آثار نے کی کوشش کی جائے تو یہ عدل کے منافی ہے۔ اس وسیع تر تناظر میں توحید اور عدل دو ایسی بنیادیں اور اصول معلوم ہوتے ہیں جو بقیہ مقاصد کے ساتھ جو ہری تعلق اور وابستگی رکھتے ہیں۔

توحید، عدل اور حرمت نفس کے اہم اور بنیادی مقاصد کے بعد اسلامی تہذیب و ثقافت کی چوتھی بنیاد اور مقصود شریعت عقل و تمیز کی حریت ہے، یعنی شریعت ایسی تہذیب و ثقافت کا وجود چاہتی ہے جس میں انسان آزادی رائے کا استعمال، دانش اور ہوش کی بنیاد پر کریں، جذبات میں اندر ہے ہو کر بیان شے میں مدھوش ہو کر نہ کریں۔ یہی وجہ ہے خر (جو عقل کو ڈھانپ لے) یا سکر کو حرام قرار دیا گیا کہ شراب یا دیگر منشیات کا استعمال انسان کی عقل کو ماوف کر دیتا ہے اور وہ سلامتی فکر اور آزادی رائے کے ساتھ کوئی فیصلہ نہیں کر پاتا۔ ایک ایسی تہذیب و ثقافت کو جس کی بنیاد ہی شراب پر ہوا اور جو شام ڈھلنے کا مقصد ہی یہ قرار دے کہ لوگ شراب خانوں، ناج گھروں اور بُرائی کے اڑوں میں جا کر مدھوش ہو کر شام منائیں، ایک عقل دشمن اور فتن و فجور کی شائق تہذیب ہی کہا جا سکتا ہے۔ ایسی تہذیب و ثقافت عقل و دانش کے احیا و ترقی کی جگہ جذباتیت اور نفسانیت ہی کو فروع دے سکتی ہے۔ اسلامی تہذیب و ثقافت میں اس قسم کے طرزِ عمل اور رویے کی کوئی مختلاش نہیں۔ اسلامی ثقافت و تہذیب ایک پاکیزہ، ہوش مند اور عقل و دانش پر منیٰ ثقافت ہے جہاں علم، معرفت، ذکر و فکر، بھلائی اور معروف کی اشاعت کی بنیاد پر اخلاقی رویوں کا تعین ہوتا ہے۔

پانچواں اہم مقصود شریعت اہل ایمان کے دین کا تحفظ و ترقی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم دین کی اصطلاح کو عبادات، مثلاً صلوٰۃ و زکوٰۃ، صیام اور عمرہ اور حج کے حوالے سے استعمال کرتا ہے اور ان کے متین وقت پر توجہ اور شعور کے ساتھ ادا کرنے کو، نہ کہ میکائی طور پر ان کی ادائیگی کو، اسلامی تہذیب و ثقافت کی پہچان قرار دیتا ہے۔ قرآن کریم میں دین کی اصطلاح کو نہ صرف عبادت بلکہ اسلامی قوانین کے نفاذ کے لیے بھی استعمال کیا گیا ہے۔ چنانچہ سورہ نور میں فرمایا گیا کہ بد اخلاقی

کے مرکب مرد اور عورت پر حد کا اجرا کیا جائے اور اس طرح دین کے قیام میں لکھ، تردد یا معدتر نہ کی جائے۔ چنانچہ حدود کے اجرا کو دین قرار دے کر قرآن کریم نے اصطلاح کے اس پہلو کو اجاگر کر دیا (النور ۲:۲۳)۔ دین کے قیام اور تحفظ کے حوالے سے یہ بھی قرآن کریم نے سمجھائی ہے کہ انسانوں پر انسانوں کی حاکیت کی جگہ اللہ رب العزت کی حاکیت کو قائم کرنا اور اس کے نام کو بلند کرتے ہوئے تمام سیاسی اختیارات میں اسے حرف آخر قرار دینا ہی درحقیقت دین ہے۔ چنانچہ سورہ یوسف میں فرمایا گیا: ”اے زندان کے ساتھیو! تم خود ہی سوچو کہ بہت سے متفرق رہب، بہتر ہیں یا وہ ایک اللہ جو سب پر غالب ہے، اس کو چھوڑ کر تم جس کی بندگی کر رہے ہو وہ اس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ بس چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آبا اجداد نے رکھ لیے ہیں، اللہ نے ان کے لیے کوئی سند نا زال نہیں کی۔ حاکیت و اقتدار اللہ کے سوا کسی کے لیے نہیں ہے۔ اس کا حکم ہے کہ خود اس کے سواتم کسی کی بندگی نہ کرو، میکی صحیح اور مستحکم دین ہے۔“ (یوسف ۱۲:۳۰)

گویا دین سیاسی اقتدار کو اللہ کی مرضی کے تابع کرنے کا نام ہے جو شریعت کا ایک بنیادی مقصد ہے۔ یہ بات بھی پیش نظر ہی چاہیے کہ جہاں دین کا تحفظ و بقادِ دین اسلام کی برتری اور لمحت ہونے سے تعبیر ہے وہیں اسلام یہ بھی چاہتا ہے کہ دیگر مذاہب کے ماننے والوں کو ان کے مراسم عبودیت کی مکمل آزادی اور تحفظ حاصل ہو۔ چنانچہ ان کے عبادات خانوں کا تحفظ اور ان کی مذہبی آزادی کا حق بھی شریعت کے مقاصد میں شامل ہے۔ یہ بات محتاج دلیل نہیں کہ غیر مسلم شہریوں کے حقوق بطور ایک شہری کے وہی ہیں جو مسلمانوں کے ہیں۔

کسی بھی مسلم ریاست کے غیر مسلم شہری ان تمام ریاستی حقوق کے سختق ہیں جو عام حالات میں مسلمانوں کو ملتے ہیں۔ قرآن کریم یہ وضاحت کرنے کے بعد کہ دین، اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہی ہے، اہلی کتاب حتیٰ کہ مشرکوں کو بھی اسلامی ریاست میں ان کے مراسم عبودیت سے محروم نہیں کرتا اور انھیں مکمل تحفظ فراہم کرتا ہے۔ اس حیثیت سے اسلام وہ واحد دین ہے جو اپنی حقانیت، کاملیت اور جامعیت کے باوجود دیگر مذاہب کے ساتھ ایک مسلسل مکالمے کی شکل اختیار کرتا ہے اور ان پر اسلام کو زبردست نافذ نہیں کرنا چاہتا۔ صحیح معنوں میں اس طریقہ عمل کو مذہبی کثرتیت (religious pluralism) بھی کہا جاسکتا ہے اور یہ پہلو بھی اسلامی تہذیب و ثقافت کی ایک

منفرد و ثابت خصوصیت یعنی رواداری کی نشان دہی کرتا ہے۔

چھٹا مقصدِ شریعت انسانی نسل کی بقا اور انسانی عزت و وقار کا تحفظ ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ انسانی برادری میں تعلقات کی بنیاد اخلاقی اور قانونی رشتہوں پر استوار ہو۔ چنانچہ شریعت کا ایک مقصد ان رشتہوں کے احترام یا حرمت کو برقرار رکھنا ہے۔ اس غرض کے لیے نکاح کا ادارہ قائم کرنا اور زنا کو حرام قرار دیا جانا آنے والی نسلوں کے شخص و انفرادیت کو تحفظ دیتا ہے اور خاندان کے ادارے کو تہذیب و ثقافت کی بنیاد قرار دیتا ہے۔ اگر انسانی جین (Gene) کا احترام نہ کیا جائے اور آزاد جنسی تعلقات کو انسانی حق، تسلیم کر لیا جائے تو معاشرے میں ایسے افراد کی کثرت ہو سکتی ہے جو بظاہر تو اعلیٰ تعلیم سے آراستہ ہوں لیکن خود اپنے نقطہ آغاز اور اپنی آفرینش کے مقصد تک سے واقف نہ ہوں اور نتیجتاً معاشرتی اور خاندانی رشتہوں کے قائم نہ ہونے کے نتیجے میں معاشرے کی بنیادی اکالی یعنی خاندان کا وجود محدود ہو جائے اور بنیاد کے تباہ ہونے کے سبب خود تہذیب و ثقافت فطری موت سے ہمکنار ہو جائے۔ تہذیب و ثقافت معاشرے کی بنیاد پر قائم ہوتی ہے اور اگر انسانی معاشرہ ہی باقی نہ رہے تو ثقافت بھی برقرار نہیں رہ سکتی۔

ساتواں مقصدِ شریعت احترام مال ہے یعنی شریعت یہ چاہتی ہے کہ انسانی معاشرے میں معاشری عدل ہو، معاشری اخلاقیات پر عمل کے نتیجے میں ہر فرد کی ملکیتِ علم و احتصال سے محفوظ ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ منصفانہ تقسیم دولت، وسائلی فطرت سے استفادے کی آزادی اور معاشری لوث کھسوت سے تحفظ کا نظام پایا جائے۔ اس سے یہ مراد نہیں لی جاسکتی کہ اسلام اگر انفرادی حق ملکیت کو تسلیم کرتا ہے تو شریعت کا جھکاؤ سرمایہ دارانہ احتصالی نظام کی طرف ہے۔ اسلام جہاں انفرادی ملکیت کے حق کو بعض شرائط کے ساتھ تسلیم کرتا ہے وہاں ہر صاحبِ حیثیت فرد پر معاشرتی ذمہ داریاں بھی عائد کرتا ہے تاکہ دولت کی گردش، تقسیم دولت اور ضرورت مندوں کی ضروریات کی تکمیل میں کوئی فرق نہ آنے پائے۔

ان سات مقاصد کے علاوہ بھی دیگر مقاصد پر علاوے فتنے بحث کی ہے اور تفصیلات سے آگاہ کیا ہے لیکن ہم یہاں صرف ان معروف مقاصد کے حوالے سے یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ یہ مقاصد نہ صرف شریعت کے مقاصد ہیں جن کی بنی پراللہ تعالیٰ نے ہمیں دین اسلام جیسی نعمت سے

نوازا اور ہم سے قبل بنی اسرائیل کو ان ہی مقاصد کے حصول کے لیے تورات کی شکل میں شریعت دی، بلکہ اگر دیکھا جائے تو یہی مقاصد، مقاصدِ انسانیت بھی ہیں یعنی انسانیت کے اہداف اور اس کی منزل مقصود اور اس کے مطلوبہ انسان، معاشرہ، سیاسی نظام، معاشی نظام اور قانونی نظام کی بنیاد ہیں۔ یہی وہ اصول اور اہداف ہیں جن کو اگر پیش نظر رکھا جائے تو اسلامی تہذیب و ثقافت وجود میں آتی ہے اور اس کی فکری، عملی سرگرمیاں ان مقاصد کے حصول کے لیے اپنی تمام قوتوں کے ساتھ سرگرم عمل رہتی ہیں۔ جہاں یہ مقاصدِ اہلی ایمان کو ایمان کے تقاضوں سے آگاہ کرتے ہیں وہیں یہی مقاصدِ غیر مسلموں کو انسانیت کے مقصد کے حوالے سے زندگی گزارنے کے لیے ایک عالم کیر اخلاقی ضابطے سے روشناس کرتے ہیں تاکہ غیر مسلم رہتے ہوئے بھی وہ اپنی زندگی میں وحدانیت پیدا کر سکیں۔ جادہِ عدل سے نہ ہٹیں اور اپنے معاملات میں انسانی زندگی بلکہ حیوانی اور ماحولیاتی زندگی کا بھی احترام کرنا یکسیکھیں۔

یہ مقاصدِ شریعت ایک مسلمان کی زندگی کی تمام سرگرمیوں کے مقصد و منزل کا تعین کرتے ہیں۔ اپنی عالم کیریت اور مقاصدِ انسانیت ہونے کے سبب یہ مقاصدِ غیر مسلموں کو بھی زندگی کے اہم معاملات میں رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔ ان مقاصد کے حصول کے لیے جو تہذیب جہاں کہیں بھی قائم ہوگی وہ اسلامی تہذیب و ثقافت کہلاتے گی اور اس کے پھل نہ صرف مسلمانوں کے لیے بلکہ غیر مسلموں کے لیے بھی مفید ثابت ہوں گے۔

مقاصد کی اس مختصر گفتگو سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ اسلامی فکر و ثقافت دراصل الہامی ہدایت، شریعت اور اس کے مقاصد کی تکمیل کے لیے ہی وجود میں آتی ہے۔ دین کی سرفرازی ہی ایک مومن کا مقصدِ حیات ہے اور شریعت کا جامع اور کمل طور پر نفاذ انسانیت کی فلاحت اور ترقی کے لیے ایک لازمی کی حیثیت رکھتا ہے۔ جب اور زبردستی کے ساتھ مخفی چند سزاوں کے نفاذ سے نفاذِ شریعت کا کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ یہ عمل ایک شربار تہذیب و ثقافت کی بنیاد اور نشووار تقا کے یہ قوتِ محکم کی حیثیت رکھتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب!